اقامت دین فرض ہے!

احمد اقبال قاسمی ★

اقامتِ دین تمام فقہاے اسلام کے نزدیک متفقہ اور مسلّمہ فریضہ ہے۔ اس میں اختلاف اورتفرقہ حرام ہے۔جس طرح دین کی تبلیغ، ہماری ذمہ داری ہے، دین کے احکامات پر انفرادی اوراجتماعی طور پرعمل درآمد بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داریاں ہم نے ازخودنہیں لیں بلکہ رب کائنات جس نے ہم کوعدم سے وجود بخشا، وہ ہمارا مالک اور حقیقی ولی ہے، وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ وہ انسانی پیدایش کا مقصد بتائے اوراس کے لیے ضابطہ اور قانون بنائے۔ اس نے ہمیں انبیاؑ کا وارث قرار دیا ہے۔ اس نے انبیاؑ کی بعثت کا مقصد اقامتِ دین کوقرار دیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، لہٰذا یہ فریضہ اُمت مسلمہ کے سپرد کیا گیا۔ اس طرح ازخود اقامت دین ہماری زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔مقصدِ زندگی قرار دینے کے بعد یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے مقصد زندگی کا صحیح شعور حاصل کریں اوراس کے مطابق اپنے اندر مطلوبہ اخلاق، اوصاف اوراستعداد پیدا کریں۔

اقامت دین کی فرضیت سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے قرآن حکیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ جودرحقیقت ایک ہی چیز کے دوعنوان ہیں، کا جائزہ لینا ہوگا۔فرق صرف علم اورعمل کا ہے۔قرآن اللہ کے دین کوعلمی صورت میں پیش کرتا ہے اور اسوۂ وسیرت اس کوعملی شکل میں ظاہر کرتے ہیں۔فقہ میں دونوں کو کتاب وسنت سے تعبیر کرتے ہیں۔اس کے بعد صحابہ کرام اور تابعین اور تاریخِ اسلام کے بزرگوں کی سیرت وخدمات اورقربانیوں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

دین کسے کہتے ہیں؟

قرآن حکیم کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۴۰ سورتوں میں دین کا ذکر آیا ہے۔ تفصیل یہ ہے:
ان آیات میں دین کو دین اللہ دو جگہوں پر کہا گیا: الدین الحق پانچ جگہوں پر، یوم الدین ۱۳ جگہوں پر، الدین القیم تین مرتبہ آیا۔ دین القیمہ دو جگہوں پر، مخلصین لہ الدین چھے مقامات پر، مخلصا لہ الدین تین جگہوں پر، اخلصوا دینھم، النساء میں اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا، المائدہ میں اتخذو دینھم لھوا، الانعام میں اتخذوا دینھم لھوا، الاعراف میں ایک ایک مرتبہ آیا ہے۔ مجموعی طور پر ۹۴ مرتبہ لفظ دین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اہم رکن اسلام صلوٰۃ (نماز) کا بھی قرآن شریف میں ۹۴ مرتبہ ذکر آیا ہے۔

اقامتِ دین کی فرضیت

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ (البقرہ ۲:۳۰) ’’پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں‘‘۔ فرشتوں سے کلام اور جنت میں قیام کے بعد یہ مرحلہ آتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو حکم ہوتا ہے: قُلۡنَا اہۡبِطُوۡا مِنۡہَا جَمِیۡعًا ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی فَمَنۡ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾ (البقرہ ۲:۳۸) ’’ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمھارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔ اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے‘‘۔ ان آیات سے سب سے اہم حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ آسمان اور زمین اور ساری کائنات میں اقتدار اعلیٰ اللہ رب العالمین کا ہے۔ وہی خالق اور وہی حاکم ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ کے ذمہ دار اس کے نائب انبیا علیہم السلام ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے انبیاؑ خلافتِ الٰہیہ کے منصب پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں منتخب فرمایا تھا اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہوا کہ نبوت کا سلسلہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا تو اب خلافت رسولؐ کا سلسلہ اس کے قائم مقام ہوا، اور اس کے خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے

قرار پایا۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جو فریضہ انبیاؑ اور رسولؐ کے سپرد ہوا تھا وہ اُمت محمدیہؐ کے سپرد کر دیا گیا۔ یہی اس اُمت کی وجہِ امتیاز ہے۔ کارِ نبوت کی ذمہ داری پوری اُمت پر عائد کی گئی۔

فرشتوں کے مکالمے سے حضرت آدمؑ کے فائق اور برتر ہونے کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی کہ حضرت آدمؑ کو معلم کا درجہ دیا گیا اور فرشتوں کو طالب علم کا۔ عبودیت مخلوق کی صفت ہے، خالق کی نہیں۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ علم کی وجہ سے آدمؑ خلافت کے مستحق ہوئے، جب کہ فرشتے اہل نہ تھے۔ (معارف القرآن، مفتی محمد شفیع)

ان آیات سے مقصدِ تخلیقِ آدم اور نسلِ انسانی کی کائنات میں حیثیت اور اس کے صحیح مقام کا علم حاصل ہوا، انسان محکوم ہے حاکم اور خود مختار نہیں۔ حدود اللہ کے دائرے میں رہتے ہوئے اسے محدود اختیارات حاصل ہیں۔ خلافت الٰہیہ کے تقاضوں کی تکمیل اس کا مقصد زندگی ہے۔

فریضہ اقامت دین کی بحث میں ہمیں سب سے زیادہ رہنمائی سورۂ شوریٰ میں ملتی ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (الشوریٰ ۴۲:۱۳) ''اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے اے محمدؐ اب تمھاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ''۔ اس آیت کریمہ سے فریضہ اقامت دین کا قرآنی حکم عبارۃ النص (آیت کا مقصود) سے براہِ راست ثابت ہے، یعنی یہ آیت اسی مقصد کے بیان کے لیے نازل ہوئی ہے۔ قرآن کی یہ آیات مکی دور میں نازل ہوئی تھیں۔

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ اقامت دین فرض ہے اور اس میں تفریق حرام ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ: ''اس آیت میں دو حکم مذکور ہیں۔ ایک، اقامت دین۔ دوسرے، اس کا منفی پہلو، یعنی اس میں تفرق کی ممانعت، جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ میں حرف اَنْ تفسیر کے لیے ہے تو دین کے معنی

متعین ہو گئے کہ مراد وہی دین ہے جو سب انبیاؑ میں مشترک چلا آ رہا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دین مشترک بین الانبیا اصول عقائد، یعنی توحید، رسالت، آخرت پر ایمان، اور عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابندی ہے، نیز چوری، ڈاکا، زنا، جھوٹ، فریب، دوسروں کو بلاوجہ شرعی ایذا دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے جو سب ادیانِ سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں''۔ (معارف القرآن، ج ۷،ص ۶۷۸)

مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ عقائد اور اصول دین میں تمام متفق رہے ہیں۔ سب انبیا اور ان کی اُمتوں کو حکم ہوا ہے کہ دین الٰہی کو اپنے قول و فعل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح تفریق یا اختلاف کو روا نہ رکھیں۔

مولانا مودودی نے سورۂ شوریٰ کی اس آیت کی تفہیم انتہائی بلیغ اور مدلل انداز میں پیش کی ہے اور دیگر حوالے بھی دیے ہیں۔ انھوں نے آیت کے پہلے لفظ شَرَعَ لَكُمْ سے اصطلاحی طور پر ضابطہ اور قاعدہ مقرر کرنا بتایا۔ شرع اور شریعت سے قانون اور شارع کو واضعِ قانون کے ہم معنی قرار دیا۔ پھر اپنے اس اہم ترین استدلال کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ تشریع خداوندی فطری اور منطقی نتیجہ ہے اس بڑی حقیقت کا کہ اللہ ہی کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے اور وہی انسان کا حقیقی ولی ہے۔ اس طرح وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ انسان کے لیے قانون اور ضابطے وضع کرے (تفہیم القرآن، ج ۴،ص ۴۸۷)۔ اس آسان استدلال سے مغرب کے تمام باطل اور مادی فلسفوں کی خوب صورت طریقے سے تردید ہوجاتی ہے۔ مغرب کا کلمہ لا الٰہ الا انسان ہے، جب کہ اسلام کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ مغرب کے مطابق قانون سازی کا اختیار انسان اور جمہور کو ہے، جب کہ قرآن کے مطابق یہ حق صرف اور صرف اللہ کو حاصل ہے۔

اقامتِ دین کی اصطلاح

فقہاے اسلام نے سورۂ شوریٰ کی آیت اَقِيْمُوا الدِّيْنَ سے اخذ کرتے ہوئے اقامت دین کا اصطلاح کے طور پر استعمال شروع کیا ہے۔ جب توریت نازل ہوئی تھی تو توریت کی اقامت کا نام اقامت دین تھا، اور جب انجیل نازل ہوئی تو اُس کی اقامت بھی اقامتِ دین تھا،

اور اب قیامت تک قرآن کی اقامت کا نام بھی اقامتِ دین ہے۔ خود قرآن نے اہلِ کتاب کے بارے میں کہا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط (المائدہ ۵:۶۶) ''اور اگر وہ توریت اور انجیل اور جو کچھ اُن پر اُن کے رب کے طرف سے نازل ہوا اُسے قائم رکھتے تو رزق اُن کے اُوپر سے برستا اور نیچے سے اُبلتا''۔

پھر اسی سورہ میں آگے آیت ۶۸ میں اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے جو بات کہی گئی ہے اس پر غور کیجیے کہ یہ خطاب اُنھی کے لیے نہیں بلکہ ہمارے لیے بھی کتنا اہم ہے: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط (المائدہ ۵:۶۸) ''کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ توریت اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو، تمھاری طرف جو تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں''۔

ہمارے مفسرین نے لکھا ہے: وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ سے مراد قرآن شریف ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تم توریت انجیل اور قرآن کی اقامت نہ کرو گے اُس وقت تک تم دینی و مذہبی لحاظ سے کچھ نہیں ہو۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو شخص بھی اللہ کی کتاب پر ایمان کا مدعی ہے اس پر اس کتاب کی اقامت فرض ہے، اور اب قیامت تک اقامتِ قرآن ہی کا نام 'اقامتِ دین' ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت عزیمت میں حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریۂ خلافت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کلیۃ الکلیات (اصل الاصول) وہ حقیقت ہے جس کا عنوان 'اقامتِ دین' ہے۔ غرض یہ ہے کہ اقامت دین ایک جامع اصطلاح ہے اور ان تمام احکامِ قرآنی پر حاوی ہے جو مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے متعلق ہے۔

حضرت شاہ ولیؒ اللہ نے اپنے ترجمۂ قرآن فتح الرحمٰن میں من الدین کا ترجمہ 'از آئین' فرمایا ہے۔ مولانا مودودیؒ اس ترجمے سے استفادہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو تشریح فرمائی ہے اس کی نوعیت آئین کی ہے۔ اس توجیہ سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ آیت میں دین کے معنی ہی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مان کر اس کے احکامات کی اطاعت کرنے

کے ہیں، اور یہ کہ وہ خالق و مالک ہونے کی بنا پر واجب الاتباع ہے۔ اس کے حکم اور قانون کی پیروی نہ کرنا بغاوت اور بندگی سے انکار کے مترادف ہے۔

مولانا مودودیؒ نے دین کے مفہوم اور اقامتِ دین کو بڑی شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے۔ معاشرے میں سہل پسندی اور بے عملی کے رجحان پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: اقامت دین کا مقصد صرف تبلیغ دین سے پورا نہیں ہوتا، بلکہ دین کے احکامات پر کماحقہٗ عمل درآمد کرنا، اسے رواج دینا اور عملاً نافذ کرنا اقامت دین ہے۔ مزید وضاحت کے لیے لکھتے ہیں: دین مشترک بین الانبیا سے صرف ایمانیات عقائد اور چند بڑے بڑے اخلاقی اصول ہی مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے تمام ہی شرعی احکام مراد ہیں۔ دلیل کے طور پر مولانا نے قرآن حکیم کی وہ آیات پیش کی ہیں جن میں ان احکام کو واضح اور صریح طور پر دین ؐ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذیل میں وہ آیات درج ہیں:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ○ (البینہ ۹۸:۵)، اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے، بالکل یک سو ہوکر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (المائدہ ۵:۳)، تم پر حرام کیا گیا مُردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھُٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو۔ یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اُس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کرلیا۔ اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمھارے لیے ناجائز ہے کہ

پانسوں کے ذریعے سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعال فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمھارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہوچکی ہے، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سب احکام شریعت دین ہی کا حصہ ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (النور ۲۴:۲)، زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو ۱۰۰، ۱۰۰ کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں دامن گیر نہ ہو۔

اس آیت میں قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ یہاں فوجداری قانون کو دین اللہ فرمایا گیا ہے۔ معلوم ہوا صرف عبادت ہی دین نہیں ہے، مملکت کا قانون بھی دین ہے۔ (تفہیم القرآن)

ان تفصیلات کے بعد ان آیاتِ ربانی پر غور کرتے ہیں جن سے اصولِ فقہ کی روشنی میں اقامتِ دین کا فرض ہونا اور منشاے الٰہی کا مقصود ہونا دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے۔ مولانا محمد اسحاق ندوی اپنی کتاب اسلام کے سیاسی نظام میں دینی حکومت کے قیام کے لیے سورۂ نساء کی آیت: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحبِ امر ہوں۔ النساء ۴:۵۹) سے اقامتِ دین کا فرض ہونا اقتضاء النص سے ثابت کیا ہے۔ اس آیت میں صاحبِ امر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جس پر عمل اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب صاحبِ امر موجود ہو۔ اب اسے وجود میں لانا بالفاظِ دیگر اقامت دین کے نظم کو قائم کرنا نص کا منشا اور مقتضا ہے۔

اسی طرح سورۂ انفال کی آیت: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (اور تم لوگ جہاں تک تمھارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ ان کے ذریعے

سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعدا کو خوف زدہ کر دو جنھیں تم نہیں جانتے۔ الانفال۸:۶۰) میں ہمیں حکم دیا جاتا ہے کہ ہم اپنی قدرت کی حد تک دشمنانِ دین کے مقابلے کے لیے قوت فراہم کریں۔ تنظیم، افراد اور نظم حکومت کا قیام بالفاظ دیگر نصب امامت خود قوت کا ایک حصہ ہے، بلکہ اس نوعیت کی کل قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس آیت سے امام کے تقرر کی فرضیت اسی طرح ثابت ہوتی ہے جس طرح جنگ کے لیے اسلحہ مہیا کرنے کی فرضیت۔

سورۂ توبہ کی آیت: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ٥ (جنگ کرو اہلِ کتاب کے ان لوگوں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔ التوبہ۹:۲۹) سے اقامتِ دین اور دینی نظام کے قیام کی فرضیت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ آیت کریمہ اہلِ اسلام کو قتال کا حکم دیتی ہے اور اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیتی ہے تا آنکہ اہلِ باطل کو مغلوب کر کے ان سے جزیہ وصول کیا جائے اور انھیں چھوٹا بنا کر رکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان احکامات کو پورا کرنا دینی حکومت اور اقامتِ نظم دین کے بعد ہی ممکن ہے۔

سورۂ مائدہ کے ساتویں رکوع میں فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (مائدہ۵:۴۵)، جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ (مائدہ۵:۴۷)، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمام معاملات میں ما انزل اللّٰہ کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے کافر، ظالم اور فاسق ہیں، اور اقامتِ دین حکومت و عدالت کی کرسیوں پر اسی طرح ضروری اور لازم ہے جس طرح اقامتِ صلوٰۃ کے لیے اوقات کے لحاظ سے ادایگی نماز اور مسجد کی تعمیر اور اُس کا انتظام۔ اور یہ کہ یہ سب فرائض اقامتِ دین کا حصہ ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (آل عمرن ۳:۱۰۴) ، اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ (دوسروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمرن ۳:۱۱۰) ، اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان دونوں آیتوں میں **یامرون** اور **تامرون** کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، یعنی حکم دیتے ہو۔ **یبلغون** اور **وتبلغون** نہیں فرمایا گیا۔ گویا صرف پہنچا دینا اور تبلیغ کرنا کافی نہیں ہے بلکہ رب کائنات کائنات احکم الحاکمین کے دینی نظام کو قوت سے نافذ کرنا مقصود ہے۔

مولانا ابوالحسن ندوی اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش میں اس آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس اُمت کی جگہ قافلے کے پیچھے اور حاشیہ برداروں کی صف میں ہو اور وہ دوسری اقوام کے سہارے زندہ رہے، اور قیادت و رہنمائی، امر و نہی اور دینی و فکری آزادی کے بجاے تقلید اور نقل، اطاعت و سپراندازی پر راضی اور مطمئن ہو''۔ اس مضمون کی دوسری آیات آل عمران (۳:۱۱۴)، الاعراف (۷:۱۶۷)، التوبہ (۹:۷۱)، الحج (۲۲:۴۱)، لقمان (۳۱:۱۷) ہیں۔

سورۂ توبہ کی آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدیت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے جنس دین پر غالب کردے۔ ۹:۳۳) سے اقامتِ دین کی فرضیت اور غلبۂ دین دلالت النص سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ آیت قرآن شریف میں تین جگہوں پر آئی ہے: سورۂ توبہ کی ۳۳ اور سورۂ صف کی آیت کا آخری ٹکڑا وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ہے، اور سورۂ فتح میں آیت کا

آخری حصہ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ہے۔ پہلی دونوں آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے کہ دین حق کا غلبہ مخالفین کو خواہ کتنا ہی بُرا لگے ہم نے اپنے رسول کو اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے، اور سورۂ فتح کا آخری حصہ بتاتا ہے کہ بعثت محمدیؐ کی اس غرض و غایت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ اب اگر تمام دنیا مل کر بھی یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ نہیں تھا، اُس کی بات قابلِ سماعت نہ ہوگی۔

مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں بعثت رسولؐ کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ جس ہدایت اور دین حق کو وہ خدا کی طرف سے لایا ہے اسے دین کی نوعیت رکھنے والے طریقوں اور قاعدوں پر غالب کردے۔ دوسرے الفاظ میں رسولؐ کی بعثت کبھی اس غرض کے لیے نہیں ہوئی کہ جو نظامِ زندگی لے کر وہ آیا ہے وہ کسی دوسرے نظامِ زندگی کا تابع اور اس سے مغلوب بن کر اور اس کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجایشوں میں سمٹ کر رہے، بلکہ وہ بادشاہِ ارض وسما کا نمایندہ بن کر آتا ہے اور اپنے بادشاہ کے نظامِ حق کو غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا نظامِ زندگی دنیا میں رہے بھی تو اسے خدائی نظام کی بخشی ہوئی گنجایشوں میں سمٹ کر رہنا چاہیے جیسا کہ جزیہ ادا کرنے کی صورت میں ذمیوں کا نظامِ زندگی رہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲ ص ۱۹۰)

حضوؐر کے اس مقصد بعثت کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ اللّٰہ البالغہ اور ازلۃ الخفا میں متعدد مقامات پر پیش کیا ہے۔ اسی آیت پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے: ''جان لینا چاہیے کہ اس آیت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ ہر غلبہ جو دین حق کو حاصل ہوا وہ سب کا سب لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں داخل ہے، اور وہ عظیم الشان غلبہ، جو کسریٰ وقیصر کی حکومتوں کو درہم برہم کردینے کی شکل میں حاصل ہوا بدرجہ اولیٰ اس کلمے میں داخل ہے، اور اس بڑے درجہ و مرتبہ کے علَم بردار خلفاے راشدین تھے۔ ان بزرگوں کی کوششیں آنحضرتؐ کی بعثت کے مقتضا میں داخل تھیں۔ (اقامتِ دین، سید احمد عروج قادری)

شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب حجۃ اللّٰہ البالغہ میں مختلف عنوانات کے تحت بار بار یہ حقیقت دہرائی ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاے کرام کو اقامت دین ہی کے لیے مبعوث فرماتا رہا ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی لیے مبعوث فرمایا تھا کہ وہ دین کو قائم کریں اور اُسے دوسرے ادیان باطل پر غالب کریں۔ گویا غلبۂ دین کے لیے اجتماعی جدوجہد اور قیامِ جماعت لازمی ہے۔

غلبۂ دین اور اُمت محمدیہؐ کی ذمہ داری

شاہ ولی اللہ ’الجہاد‘ کے تحت لکھتے ہیں: جان لو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خلافتِ عامہ کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے اور آپ نے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دینا تھا اور یہ کام جہاد اور آلاتِ جہاد تیار کرنے سے ہی ہوسکتا ہے۔ اگر جہاد کو لوگ چھوڑ دیں اور بیل کی دموں کے پیچھے لگ جائیں (یعنی حصولِ معاش میں لگ کر جہاد سے غافل ہوجائیں) تو ذلت ان کو گھیر لے گی اور دوسرے ادیان والے ان پر غالب آجائیں گے۔

شاہ صاحب جہاد کی فضیلت کے بارے میں بہت سی حدیثوں کو پیش کرتے ہیں:

قال رسولؐ مثل المجاھد فی سبیل اللہ کمثل القانت الصائم (اطراف المسند المعتلی)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ شب بیدار اور روزہ دار کی مثال ہے۔

وقال رسولؐ من احتبس فرساً فی سبیل اللہ ایماناً باللہ وتصدیقاً بوعدہ فان شبعہ وریہ وروثہ وبولہ فی میزانہ یوم القیامۃ (السنن الکبریٰ للبیہقی)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے ایک گھوڑا باندھا اور اُس کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اس کو پانی پلایا اور قیامت کے دن اس کا چارا، لید اور پیشاب اس کی نیکیوں میں یہ سب تولے جائیں گے۔

قال رسولؐ ان اللہ یدخل بسھم الواحد ثلاثۃ نفر فی الجنۃ صانعہ یحتسب فی صنعہ والرامی بہ ومنبلہ (سنن نسائی)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا۔ ایک بنانے والے کو جو اس کی صنعت میں ثواب چاہتا ہے اور چلانے والے اور تیر دینے والے کو۔

وقال رسولؐ من رمی بسھم فی سبیل اللہ فھو لہ عدل محرر (سنن نسائی)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کی راہ میں ایک تیر چلائے گا اُس کو غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

جب اقامتِ دین اور اعلاے کلمۃ اللہ کے سلسلے میں ایسے چھوٹے کام کا ثواب جنت ہے تو بڑی خدمات کے ثواب کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

اقامت قرآن کے لیے اسلامی حکومت کا قیام

اقامتِ قرآن کے لیے اسلامی حکومت (حکومتِ الٰہیہ) کا قیام لازمی ہے۔ قرآنی آیات احکام پر عمل صرف اسلامی حکومت کے ذریعے سے ہی کیا جاسکتا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ (المائدہ ۵:۳۸)، چور خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ ۵:۹۰)، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جُوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو۔ اُمید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہوگی۔

عہد صحابہؓ سے شراب پینے کی سزا ۸۰ کوڑے تھی۔ یہی مسلک امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک شراب نوشی کی حد ۴۰ کوڑے ہے۔ ان حدود کا اجرا صرف حکومت کا کام ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا (النور ۲۴:۴)، اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو ۸۰ کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرہ ۲:۲۷۵)، اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

قرآن حکیم میں قتال فی سبیل اللہ کے لیے گیارہ آیات اور جہاد کے لیے ۲۶ آیات آئی ہیں۔ اسی طرح حدود اللہ کے اجرا کے لیے متعدد قرآنی آیات ہیں۔ اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق

ہے کہ ان قرآنی آیات پر اسلامی حکومت ہی کے ذریعے سے عمل ہوسکتا ہے اور اسلامی حکومت کی عدم موجودگی کی صورت میں انفرادی طور پر ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے تمام نصوصِ قرآنی سے بطور اقتضا اسلامی حکومت کے قیام کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور مسلم معاشرے کے تمام افراد پر اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنا حدِ استطاعت تک فرض ہے اور استطاعت کے باوجود اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوششیں نہ کرنا ویسے ہی گناہ اور معصیت ہے، جیسے صاحبِ استطاعت مسلمان پر روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج فرض ہے اور ان فرائض کا ترک کرنا عاقبت کو برباد کرنا ہے۔

شہادتِ حق اور اس کے تقاضے

قرآن حکیم میں مسلمانوں کی ایک بہت اہم اور بڑی ذمہ داری یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں اور شہادتِ حق کی حجت پوری کریں۔ فرمایا گیا: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ ۲: ۱۴۳) ''اور اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک اُمت وسط بنایا تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو''۔ اس فقرے سے مراد یہ ہے کہ حشر کے دن جب حساب لیا جائے گا اُس وقت رسول ہمارے نمایندے ہو کر تم پر گواہی دیں گے کہ صحیح فکر و عمل نظامِ عدل اور دین حق کی جو تعلیم انھیں اللہ سے ملتی تھی رسولؐ نے اس کو پوری طرح قولاً وفعلاً پہنچا دیا، اور اس کے بعد رسولؐ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اُمت محمدیہؐ نے اسے عام لوگوں تک پہنچانے میں اپنی صلاحیت اور قوت کی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اُمت محمدیہؐ کا منجانب اللہ گواہی کے منصب پر مامور ہونا درحقیقت اُس کو امامت اور پیشوائی کا مقام عطا کیا جانا ہے۔ پھر آگے جو بیان تحویل قبلہ اور اتمام نعمت کا آیا ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہورہی ہے کہ بنی اسرائیل کو جو منصب امامت حاصل تھا وہ ختم ہوا اور اب امامتِ اُمم (اُمتوں کی امامت) کا منصب اُمت محمدیہؐ کو تفویض ہو رہا ہے۔ سورۂ بقرہ کی اس آیت کے بعد سورۂ حج میں یہ بات ایک نئے انداز سے دہرائی گئی ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الحج ۲۲: ۷۸)، اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام

مسلم رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تمھارا یہی نام ہے تا کہ رسولؐ تم پر گواہ ہو۔

اس تفصیل کے بعد منصب امامت و ہدایت اور اقامت دین کی اصل غرض سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں تین آیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا o (النساء ۴:۱۳۵)، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علَم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریقِ معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیرخواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

اسی مضمون کو سورۂ مائدہ میں ایک دوسرے تقاضے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے:

کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ o (المائدہ ۵:۸)، اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ اللہ کی خوشنودی کے لیے گواہی دینے والے بنو، اگرچہ تمھارے اپنے نفس کے یا اعزہ و اقربا کے خلاف گواہی ہو رہی ہو۔ دوسری آیت میں یہ بتایا گیا کہ کسی سے دشمنی تمھیں حق کی گواہی سے منحرف کرنے کا سبب نہ ہو۔ غرض محبت و عداوت دونوں ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل و راستی کی راہ سے ہٹا کر ظلم میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ کونوا قوامین

بالقسط اور قوامین للّٰہ کو تاکید سے پیش کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ عدل وانصاف اور اوامر اللّٰہ پر ہر وقت اور ہر حال میں قائم رہنا ضروری ہے۔ دوستی دشمنی تمھیں راہِ حق سے منحرف نہ کرے۔

اس ضمن میں تیسری آیت درج ذیل ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید ۵۷:۲۵)، ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب، اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، اور لوہا اُتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔

پہلی دو آیات میں خطاب مومنین سے تھا۔ سورۂ حدید کی آیت سے خطاب کا دائرہ وسیع ہوگیا اور لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ کہہ کر پورے انسانی معاشرے اور اس کے پورے نظام کو عدل پر قائم رکھنے کی بات کی گئی۔ اور یہ اعلان سامنے آیا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا سارا نظام انصاف اور عدل ہی پر قائم کرنے کے لیے وجود میں لایا گیا۔ حضوؐر کے بعد اس نظام کے قیام کی ذمہ داری اُمت محمدیہؐ کے اُوپر ڈالی گئی۔ اسی ذمہ داری کو قرآن نے شہادتِ حق سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ کہ لوہے کو نازل کیا جس میں بڑی طاقت اور منافع ہیں۔ یہ بات خودبخود اس عمل کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس سے مراد سیاسی اور جنگی طاقت ہے۔ رسولوں کو قیامِ عدل اور اقامتِ دین کی محض اسکیم پیش کرنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں داخل تھی کہ اس عدل کامل کو عملاً قوت سے نافذ کیا جائے اور ظالمین کو سزا دی جائے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدلِ حقیقی اور اقامتِ دین کو اپنے قول اور فعل سے قائم کیا، اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ یہ تمام قرآنی آیات دلالۃ النص (قرآن کی آیت کا دلالت کرنا) سے اقامت دین کے فریضے کو ثابت کرتی ہیں۔

گذشتہ تفصیلات سے یہ مدعا اور مقصد وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ اقامتِ دین اولین اور اہم ترین فریضہ ہے اور اس کا مقام تمام فرائض میں جنس اعلیٰ اور کلیۃ الکلیات ہے جو دوسرے

تمام فرائض پر حاوی ہے۔ یہ فریضہ نبوت کے ساتھ ہی شروع ہوا اور اقامتِ دین کی جدوجہد حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات تک جاری رہی۔ نماز جو دین اسلام کا رکن اعظم ہے معراج میں، یعنی نبوت کے گیارھویں سال فرض ہوا۔ روزہ دو ہجری اور زکوٰۃ تو مکی زندگی سے فرض تھی مگر نصاب کے ساتھ زکوٰۃ کی فرضیت آٹھ ہجری میں ہوئی اور حج نو ہجری میں فرض ہوا مگر فریضہ اقامتِ دین آنحضرتؐ کی پوری زندگی پر محیط ہے۔

مسلمانوں کی دنیوی واُخروی سعادت اور اسلام کی دعوت، غلبہ واقتدار کا انحصار اقامتِ دین پر ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ رسالت، یعنی اظہارِ دین کا حصول بھی اقامتِ دین کے ذریعے ممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں پر اقامتِ دین کو فرض قرار دیا ہے تاکہ ہر دور میں اس کے ذریعے مقصدِ رسالت 'اظہارِ دین' حاصل کیا جاتا رہے۔

دیگر فرائض کا تعلق افراد کے ذاتی اعمال سے ہے اور قیامت کے دن میدانِ حشر میں ان فرائض نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کا حساب انفرادی ہوگا، جب کہ اقامتِ دین کُل وقتی طریقۂ حیات ہے جو انسانی اجتماعیت پر منطبق ہوتا ہے اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور لمحہ اس سے خالی نہیں۔

اس ہمہ گیر احساس فرض ہی نے مسلم ہند کے لیے پاکستان بنانا ممکن ہوا۔ ۱۹۴۹ء میں آئین ساز اسمبلی نے قراردادِ مقاصد، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حاکمیت کے اصول کو قانونی اور سیاسی طور پر تسلیم کیا۔ اس عظیم خدمت میں بڑا حصہ علامہ شبیر احمد عثمانی، مشرقی پاکستان [موجودہ بنگلہ دیش] کے مولانا اکرم خان اور لیاقت علی خان کا رہا ہے۔ بعد میں ۱۹۵۱ء میں تمام اسلامی مکاتبِ فکر کے علما نے متحدہ ومتفقہ طور پر ۲۲ رہنما اسلامی دستوری اصول مرتب فرمائے جس میں مولانا مودودی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا احترام الحق جیسے ۳۱ علما شریک تھے۔ اب یہ ہم سب کی اور بالخصوص علماے کرام اور دینی جماعتوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ اللہ کے دین کو پاکستان میں عملی طور پر نافذ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں اور عنداللہ خوشنودی کے مستحق قرار پائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ رسولؐ اور اسوۂ صحابہؓ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

★مقالہ نگار شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ، جامعہ سندھ جامشورو کے سابق صدر ہیں